قصہ 'کشکول' ٹوٹنے اور قرضوں کے انبار بڑھ جانے کا!

پروفیسر خورشید احمد

اونٹ بے چارہ تو ویسے ہی بدنام ہے کہ جسے دیکھو فٹ سے کہہ دیتا ہے: 'اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی'۔ جنرل پرویز مشرف اور ان کے بینکر وزیراعظم جناب شوکت عزیز کی حکومت کے دعووں اور کارناموں پر زمینی حقائق کی روشنی میں نظر ڈالیے تو اونٹ سے ہمدردی بڑھ جاتی ہے کہ بے داد کے اصل مستحق کون ہیں اور بدنام کون!

'کشکول ٹوٹنے' کی بات گذشتہ چند سال سے اس تکرار کے ساتھ کہی گئی ہے کہ اب، جب کہ الیکشن کے موسم کی آمد آمد ہے' ہر سرکاری ترجمان کی زبان پر اس طرح رواں ہے کہ لوگ اسے حکمرانوں کا تکیہ کلام سمجھنے پر مجبور ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ اس حکومت کے کارپرداز ہٹلر کے وزیراطلاعات (بہ الفاظ صحیح تر دروغیات) کے اس 'نسخۂ کیمیا' پر عمل پیرا ہیں کہ ''ایک جھوٹ کا اس تکرار سے اظہار کرو کہ لوگ اسے سچ ماننے لگیں''۔

جس طرح صدر بش اور امریکی انتظامیہ نے خصوصیت سے نائن الیون کے بعد ہر محاذ پر اور خصوصیت سے 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' (امریکا کی سلامتی کو خطرہ اور 'عراق کے عام تباہی کے اسلحہ' (weapons of mass destruction) کے عنوان سے جس ڈھٹائی سے تھوک کے بھاؤ غلط بیانیوں کو اپنی پالیسی کا مؤثر آلہ بنایا ہے اسی طرح جنرل پرویز مشرف، وزیراعظم شوکت عزیز اور ان کے اشتہار بازوں نے 'معاشی فتوحات' کا سماں باندھا ہوا ہے لیکن وہ ابراہم لنکن کے اس تاریخی قول کو شاید بھول گئے کہ ''سب انسانوں کو کچھ دیر کے لیے اور کچھ افراد کو بڑی

دیر تک بے وقوف بنایا جاسکتا ہے مگر تمام انسانوں کو مستقل طور پر جھانسہ دینا ممکن نہیں‘‘۔ انسانی کیفیات اور تاریخ دونوں کا فیصلہ ہے کہ جھوٹ اور غلط بیانی خواہ کیسی ہی تکرار اور کتنی ہی تحدّی سے کی جائے بالآخر اس کا پردہ چاک ہوکر رہتا ہے اور پھر دونوں کا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجاتا ہے۔ جادو سر چڑھ کر بولے یا نہ بولے مگر سچ کا بال آخر بول بالا ہوکر رہتا ہے اور یہی اللہ کا قانون بھی ہے کہ جب حق ظاہر ہوجاتا ہے تو پھر باطل کے لیے پادر ہوا ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اس لیے کہ باطل کا تو مقدر ہی ہے کہ حق کی آمد پر دم دبا کر میدان چھوڑ دے۔(جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا)۔

اگست ۲۰۰۷ء میں اسٹیٹ بنک آف پاکستان نے پاکستان پر قرضوں کی اصل بوجھ کے جو اعداد و شمار شائع کیے ہیں وہ ’کشکول توڑ دینے‘ کے فسانے کی حقیقت کو کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق گذشتہ چار سال میں، یعنی ۲۰۰۳ء سے مئی ۲۰۰۷ء تک موجودہ حکومت نے بیرونی ممالک اور اداروں سے ۱۵ ارب ڈالر (۱۵ بلین ڈالر) کے نئے قرضے حاصل کیے ہیں۔ اب، یعنی اگست ۲۰۰۷ء میں بیرونی قرضوں اور ذمہ داریوں کا کل حجم ۴۰ ارب ڈالر (۴۰ بلین ڈالر) سے متجاوز ہے۔ لطف یہ ہے کہ ۲۰۰۳ء سے ۲۰۰۷ء کے چار برسوں میں پاکستان نے ۹ء۷ ارب ڈالر کی مالیت کے قرض واپس بھی کیے ہیں جس کے نتیجے میں ۲۰۰۳ء میں کل بیرونی قرضہ جو اس وقت ۳۳ء۵۳ بلین ڈالر تھا کم ہوکر ۲۳ء۶۴ ارب ڈالر ہوجانا چاہیے تھا مگر ۱۵ ارب ڈالر سے زائد کے نئے قرضے لے لیے گئے جن کی وجہ سے یہ دوبارہ ۳۸ء۶۹۹ بلین ڈالر کی حدوں کو چھونے لگا، اور اس میں اگر دوسری غیر ملکی ذمہ داریوں (liabilities) کا اضافہ کر لیا جائے تو اگست ۲۰۰۷ء میں وہ ملک جس کے کشکول توڑنے کے ڈھول پیٹے جا رہے ہیں ۴۰ء۲۷۱ بلین ڈالر کا مقروض تھا۔ واضح رہے کہ اس وقت ان قرضوں کی وجہ سے صرف سود کی مد (debt-servicing) میں پاکستان کو ۳ء۱۴۳ بلین ڈالر سالانہ ادا کرنا پڑ رہے ہیں جو دراصل نئے قرضے لے کر ادا کیے جاتے ہیں اور قرض کا اصل بار نہ صرف کم نہیں ہوتا بلکہ مزید بڑھ جاتا ہے اور سب سے بڑا ظلم یہ کہ اس گراں باری کے باوجود ملک کی پیداواری صلاحیت (productive capacity) میں کوئی حقیقی اضافہ نہیں ہوتا۔

جنرل پرویز کی حکومت کے دور میں بیرونی قرضوں اور کل بیرونی ذمہ داریوں کا موازنہ کیا جائے تو صورت حال یہ بنتی ہے:

	۲۰۰۰ء	۲۰۰۷ء
● بیرونی قرضہ جات	۳۲ء۴۶۹ بلین ڈالر	۳۸ء۶۹۹ بلین ڈالر
● کل بیرونی قرضہ جات اور ذمہ داریاں	۳۴ء۹۷۶ بلین ڈالر	۴۱ء۱۷۲ بلین ڈالر

اگر ہم ایک نظر میں کشکول ٹوٹنے کی کرامات کو دیکھنا چاہیں تو کچھ یہ تصویر سامنے آتی ہے:

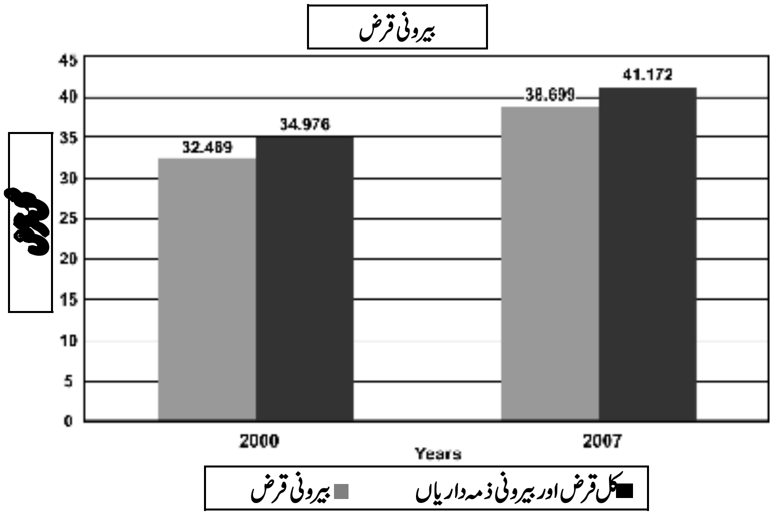

واضح رہے کہ ملک میں کی جانے والی جس بیرونی سرمایہ کاری کا بڑا شور ہے وہ ملک کی عام صنعتی پیداوار بڑھانے کا قرار واقعی ذریعہ نہیں بنی بلکہ اس کا سارا بہاؤ سروس انڈسٹری کی طرف سے جس میں برقی مواصلات (telecommunications) اور بنکاری کو مرکزی اہمیت حاصل ہے یا اسٹاک ایکسچینج میں سٹے (speculation) پر مبنی سرمایہ کاری۔

تازہ اعداد و شمار کی روشنی میں یہ ادارے نفع کی شکل میں جو مبادلہ خارجہ ملک سے باہر لے جارہے ہیں وہ ۲۰۰۷ء میں ایک بلین ڈالر کے قریب ہوگیا ہے اور سال گذشتہ میں اس رقم میں ۶۰ فیصدی اضافہ ہوا ہے۔

اس کے ساتھ اگر ملکی قرضہ جات (domestic debt) پر بھی نگاہ ڈال لی جائے تو ہماری 'فاقہ مستی' کی تصویر مکمل ہوجاتی ہے۔ اس حکومت نے اسٹیٹ بنک کے تازہ اعداد و شمار کے مطابق جولائی ۲۰۰۶ء سے مئی ۲۰۰۷ء تک صرف ۱۱ مہینوں میں ۳۴۳ء۰۲ ارب روپے کے قرضے لیے جس کے نتیجے میں حکومت پر قرض کا کُل بار بڑھ کر ۵۹۹,۲ ارب روپے ہوگیا جو اگر ڈالر کی شکل میں ظاہر کیا جائے تو ۶۴ء۴۲ بلین ڈالر بن جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں بیرونی اور ملکی قرضوں کا بوجھ ۸۲ء۷ بلین ڈالر سے متجاوز ہے۔ اس کا سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ یہ قرضے ملک کی پیداواری صلاحیت میں اضافے کے سلسلے میں بڑا محدود کردار ادا کر رہے ہیں اور یہ اربوں روپے بڑی حد تک سرکار کی شاہ خرچیوں اور ملک میں ہر سطح پر کرپشن کی وجہ سے صرف دولت مندوں اور مفاد پرست طبقات کی ہوس زراندوزی کی نذر ہو رہے ہیں' جب کہ بوجھ ملک کے ۱۶ کروڑ عوام پر پڑ رہا ہے جس سے ان کی کمر ٹوٹ رہی ہے۔ تشویش کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ اس صورت حال کو پیدا کرنے کا بڑا سبب بجٹ کا خسارہ ہے جو ۲۰۰۲-۰۳ء میں ۱۳۴ ارب روپے تھا، جو ۲۰۰۶-۰۷ء میں بڑھ کر ۳۷۷ء۵۳ ارب روپے ہو چکا ہے۔ دوسری طرف بین الاقوامی تجارت کا خسارہ ہے جو اس سال ۱۷ بلین ڈالر سے زیادہ ہے اور توازن ادایگی (balance of payments) کا خسارہ ۱۶ ارب ڈالر سے بھی بڑھ گیا ہے۔

ایک طرف قرضوں کا یہ پہاڑ ہے اور تجارت اور ادایگیوں اور بجٹ کا خسارہ ہے اور دوسری طرف عوام کی غربت اور بھوک۔ بین الاقوامی معیار کے مطابق ۲ ڈالر یومیہ فی کس آمدنی کو بنیاد بنایا جائے تو ملک کی کل آبادی کا ۷۳ فی صد غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہا ہے۔ بے روزگاری جو ۱۹۹۰ء کی دہائی میں ۵ فی صد سے کچھ زیادہ تھی اب بڑھ کر ۷ اور ۸ فی صد ہو چکی ہے۔ اور مہنگائی کا یہ حال ہے کہ غریب تو غریب متوسط طبقے کے لیے بھی زندگی کی کم سے کم ضروریات بھی پورا کرنا محال ہے--- کیا یہی وہ معاشی فتوحات ہیں جن کی خاطر اس جرنیلی آمریت نے ملک کی آزادی، سلامتی اور حاکمیت تک کو امریکا کی گرفت میں دے دیا ہے؟